محمد طفیل

(1923 – 1986)

محمد طفیل معروف ادبی رسالے ماہنامہ ''نقوش'' لاہور کے مدیر تھے۔ نقوش اردو کے مشہور اور معیاری جریدوں میں شمار ہوتا ہے۔ نقوش کا ایک اہم امتیاز اس کے ضخیم خاص نمبروں کی وجہ سے ہے۔ آپ بیتی نمبر، لاہور نمبر، منٹو نمبر، پطرس نمبر، شخصیات نمبر اور سب سے زیادہ رسول نمبر کی وجہ سے ہماری ادبی صحافت کی تاریخ میں نقوش کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ نقوش 1948 سے جون 1986 تک محمد طفیل کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔

محمد طفیل ایک اچھے مدیر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب خاکہ نگار بھی تھے۔ ان کے لکھے ہوئے خاکوں کے مجموعے ''مخدومی''، ''مجی''، ''معظّم''، ''مکرم''، ''محترم''، ''آپ''، ''جناب'' اور ''صاحب'' کے ناموں سے کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔

محمد طفیل کا مشاہدہ گہرا تھا۔ صاف گوئی، بے باکی اور بیان کی روانی ان کی تحریروں کے اوصاف ہیں۔ خاکہ ''جگر صاحب'' محمد طفیل کی کتاب ''صاحب'' سے ماخوذ ہے۔

© NCERT not to be republished

جگؔر صاحب

ٹھیک ٹھیک دوپہری تھی وہ بھی لکھنؤ کی ۔ میں خوب مزے سے سویا ہوا تھا اس لیے کہ پنکھا اور پسینہ ساتھ ساتھ چل رہے تھے ۔ اہلِ لکھنؤ کی طرح سے نہ دھوپ میں لطافت تھی نہ نزاکت ۔ نہ جانے اللہ میاں نے دھوپ کے سلسلے میں لکھنؤ والوں کے شاعرانہ مزاج کا خیال کیوں نہیں رکھا ۔ دھوپ کے ساتھ لو بھی سونے پہ سہاگہ۔ حالاں کہ چاہیے یہ تھا کہ وہاں کے رہنے والوں کے مذاق کے مطابق ہلکی سی دھوپ ہوتی جسے اہلِ مذاق پیار میں 'دُھوپیہ' کہتے ۔

لکھنؤ کی سرزمیں ہی ایسی ہے کہ وہاں آپ کو قدم قدم پر شاعر ملیں گے۔ بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ وہاں سب سوتے اور جاگتے میں شعر ہی کہتے ہیں اور شعر ہی سنتے ہیں ۔ وہاں پہنچ کر مجھ پر بھی یہ اثر ہوا کہ سوتے ہی سوتے شعر سُنے ۔ ان میں سے ایک شعر میں آپ کو بلا ترنّم سُناتا ہوں

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی عرفانِ محبت عام نہیں

میں بیدار ہونے کے موڈ میں نہ تھا۔ لیکن اس شعر کے ساتھ جو ترنّم تھا اس نے کچھ کچھ آنکھیں کھول دیں ۔ پھر دوسرا شعر نیم بے داری کی حالت میں آدھا سُنا آدھا اونگھ گیا، تیسرے شعر نے خاصا چونکا دیا ۔ رفتہ رفتہ نیند غائب تھی اور میں بیدار ۔ پہلے خیال آیا کہ شوکت تھانوی صاحب اپنے اشعار جگؔر صاحب کی لے میں پڑھ رہے ہیں ۔ (اس لیے کہ ان دنوں میرا قیام شوکت صاحب کے یہاں تھا) لیکن اس بات کا فیصلہ جلد ہی کر لینا پڑا کہ اشعار جگر صاحب ہی کے ہیں...... اتنے میں شوکت صاحب نے آواز دی۔

"بھئی طفیل جاگ رہے ہو، ادھر آؤ تمھیں ایک چیز دکھائیں ۔" میں اٹھ کر دوسرے کمرے میں آیا تو چیز کے بجائے جگؔر صاحب کو دیکھا...... شوکت صاحب نے جگؔر کی طرف اشارہ کر کے کہا آپ انھیں جانتے ہیں؟

'جی ہاں'

شوکت صاحب کو میرا صرف جی ہاں کہنا پسند نہ آیا اس لیے اُنھوں نے بات بڑھائی بھلا کون ہیں؟...... جواباً گزارش کی کہ "انھیں تو سب جانتے ہیں لیکن یہ سب کو نہیں جانتے۔"

اس پر جگؔر صاحب کے چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ کھیل گئی اور شوکت صاحب سے میرے متعلق پوچھا ”آپ کی تعریف؟“ میں نے سوچا کہ میرا تعارف کوئی دوسرا کیوں کرائے ...... اپنا بھرم یہ کہہ کر رکھ لینا چاہا کہ ”میرا نام محمد طفیل ہے“ ...... یہ تھا میرا جگؔر صاحب سے پہلا باقاعدہ تعارف ......

جگؔر صاحب کے شعری کارنامے امٹ ہیں۔ جگر صاحب نے خود اپنے ہاتھ سے شعری ادب کی تاریخ میں اپنا نام جلی حروف سے لکھ دیا ہے اور یہ کسی کے مٹائے مٹنے والا نہیں ...... اچھا انسان ہی اچھے شعر کہہ سکتا ہے۔ یہ بات کسی اور کے لیے صحیح ہو یا نہ ہو، جگؔر صاحب کے سلسلے میں غلط نہیں کہ سچے شاعر کا ماحول سے متاثّر ہونا لازمی ہے ..... جگؔر صاحب کی سوچ اور اس کے اظہار اور عمل میں تضاد نہیں، کھوج لگانے سے کوئی نہ کوئی کمزوری اُن میں مل ہی جائے گی۔ میں بھی نہیں چاہتا کہ ہم اچھّے بھلے انسان کو فرشتہ کہہ کر اس کی تذلیل کریں لیکن کھوج لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر کھوج لگانا ہی ہے تو مقابلتاً کھوج لگایئے اور پھر دیکھیے کہ جگؔر صاحب کتنے اونچے مقام پر ہیں ..... جگؔر صاحب بڑے خوش مذاق ہیں ہر وقت بقراط بنے نہیں بیٹھے رہتے۔ دوستوں کو دیکھ کر، کھِل اور کھُل جاتے ہیں۔ باتوں باتوں میں کوئی نہ کوئی فقرہ چپکا دیں گے پھر کھِلکھلا کر ہنسیں گے پھر ذرا سی ہنسی کو روکیں گے اور ”اؤں“ کہہ کر پھر ہنسیں گے اور خوب ہنسیں گے۔ ایک محفل میں جگؔر صاحب شعر سُنا رہے تھے اور ایک صاحب بے نیازی سے بیٹھے تھے۔ ایک شعر پر انھوں نے ایکا ایکی اور بے ساختہ داد دے ڈالی۔ جگؔر صاحب ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا۔

”آپ کے پاس قلم ہے؟“

”کیا کیجیے گا؟“

میرے اس شعر میں ضرور کوئی خرابی ہے ورنہ آپ داد نہ دیتے۔ اس لیے اسے اپنے دیوان سے خارج کرنا چاہتا ہوں۔ ...... جگؔر صاحب روز بروز فلسفی اور ”ولی اللہ“ بنتے جارہے ہیں۔ ہر بات کو فلسفیانہ رنگ میں سوچیں گے۔ مذہبی رنگ میں اس پر تبصرہ کریں گے ...... جگؔر صاحب اپنی باتوں میں بعض اوقات ایسے ڈوب جاتے ہیں کہ دوسرے کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ اگر دوسرے کے پلے کچھ پڑ گیا تو مزا آ گیا۔ ان کی باتیں غزل کے شعر ہوتی ہیں۔ جس طرح غزل کے شعر اپنے مفہوم کے اعتبار سے علاحدہ علاحدہ حیثیت رکھتے ہیں اُسی طرح جگؔر صاحب کی باتوں کا مسئلہ ہے۔ ...... گفتگو میں اضافتوں کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باتیں کسی پڑھے لکھے انسان سے ہو رہی ہیں۔ ...... انھیں اس بات کا بڑا صدمہ ہے کہ لوگ ان کی دعوتیں کرتے ہیں اور پھر قیمت وصول کرنے کے لیے ان سے شعروں کی فرمائش کرتے ہیں۔ ...... اگر ان کی کوئی چیز چوری ہو جائے تو یہ کہتے ہیں کہ ”اگر چور صاحب مجھ سے پوچھ لیتے کہ جگؔر صاحب مجھے آپ کی فلاں چیز کی ضرورت ہے تو میں چور صاحب سے کہتا کہ لے جاؤ۔“

© NCERT not to be republished

جگؔر صاحب اوّل تو بہت کم لوگوں کو خط لکھتے ہیں، جنھیں لکھتے ہیں ان میں سے ہر ایک کے خط کا مضمون قریب قریب یکساں ہوتا ہے۔ وہی خلوص، وہی محبت، وہی یگانگی ...... ہر ایک سے ایک سطح پر ملیں گے۔ خواہ کوئی گورنر جنرل ہو، خواہ معمولی کلرک۔ یہ بات ہر ایک میں کہاں؟ مشرقیت ان کی رگ و پے میں موجزن ہے۔ کسی کے ہاں ملنے جائیں گے تو اس کے بچوں کے لیے مٹھائی پھل یا کھلونے لے جائیں گے۔ طبیعت میں جماؤ نہیں، ذرا سی خلافِ طبیعت بات ہوئی تو سمجھیے آئی شامت۔ احباب سے ملنے میں پہل کرتے ہیں۔ جگؔر صاحب گھر کے بجائے سفر میں رہتے ہیں۔ انھوں نے اتنا سفر کیا ہوگا کہ اگر وہ تمام اعداد و شمار جمع کر لیے جائیں تو مجموعی حیثیت سے انھوں نے متعدد بار تمام دنیا کا سفر کر لیا ہوگا۔

جگؔر صاحب ہر بات میں نفاست پسند ہیں۔ نفاست ان کی زندگی ہے، بظاہر ان کی نفاست پر کوئی زندگی نہیں برستی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے پہلی بار انھیں کسی مشاعرے میں پڑھتے سُنا تو اس نے بآوازِ بلند کہا کہ جتنے یہ بدصورت ہیں، پڑھتے ہوئے اتنے ہی خوب صورت معلوم ہوتے ہیں۔ البتہ جن کی نظریں ان کے چہرے سے ہٹ کر ان کے دل کو بھی ٹٹول آتی ہیں وہ چہرے کے بھدے سے سیاہ رنگ کو بھول جاتے ہیں۔ جگؔر صاحب بڑی بھول بھلیّاں ہیں۔ اُنھیں کوئی بات یاد نہیں رہتی۔ آپ کا ان کا ہفتوں ساتھ ہو جائے اتفاق سے درمیان میں دو چار برس ملاقات نہ ہو تو وہ آپ کو قریب قریب بھول جائیں گے۔ دوبارہ ملاقات پر جب آپ ان سے کہیں گے کہ جگؔر صاحب پہچانا؟ تو وہ کہیں گے ''بھئی! کچھ آنکھیں مانوس ہیں اس وقت یاد نہیں آ رہا ہے کہ کہاں ملاقات ہوئی تھی۔'' اب انھوں نے یادداشت کا یہ طریقہ نکالا ہے کہ ایک ڈائری پر لکھتے رہتے ہیں۔ لیکن برا ہو یادداشت کا کہ اب یہ بھی پتہ نہیں کہ ڈائری کہاں رکھی ہے۔ حفظِ ماتقدم کے لیے وہ عرصے سے اپنے ساتھ ایک مددگار رکھتے ہیں اس کے باوجود وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ ان کے یوں کھوئے کھوئے رہنے سے کئی لوگ ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ یہ اپنی سیکڑوں چیزیں گم کرتے رہتے ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں نے لکھنؤ میں یہ بات سنی کہ کل جگؔر صاحب کا بٹوہ گم ہو گیا ہے اور اس میں ہزار بارہ سو روپے تھے، چنانچہ بھوپال ہاؤس اس حادثے کے افسوس کے لیے پہنچا اور پوچھا۔

''آپ کو کچھ معلوم نہیں کہ بٹوہ کیسے اور کہاں گم ہوا؟'' کہنے لگے مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ کل ایک صاحب سے چلتے چلتے ملاقات ہوئی تھی انھوں نے بڑی نیازمندی کا اظہار کیا۔ میں نے سوچا کوئی ملنے والا ہوگا۔ بازار سے کچھ سودا سلف خریدا پھر تانگے میں بیٹھے اور یہاں آئے۔ راستے میں ان صاحب نے میری جیب سے کچھ نکالا۔ میں نے سوچا مجھے کچھ بدگمانی ہوئی ہے، یہ بات نہیں ہو سکتی۔ جب جیب کو ٹٹولا تو بٹوہ غائب تھا۔ میں نے اپنا بٹوہ ان کے پاس اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا۔ لیکن میں نے ان سے

© NCERT not to be republished

کچھ کہا نہیں۔''

میں نے پوچھا کیوں؟

''کہنے لگے اگر میں اُن سے یہ کہتا کہ میرا بٹوہ آپ نے چرالیا ہے تو اُس وقت جو اسے پشیمانی ہوتی، وہ مجھ سے نہ دیکھی جاتی۔''

داستاں خواہ مخواہ طویل ہوگئی ورنہ بات تو دوسطروں میں ہوسکتی تھی۔ وہ یوں کہ جگؔر صاحب کی شخصیت نے مجھے بہ حیثیت انسان کے اتنا متاثر کیا ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد اُنگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ یہ میری بھی بدقسمتی ہے اور ماحول کی بھی۔

——— محمد طفیل

سوالوں کے جواب لکھیے:

1۔ خاکہ نگار پہلی مرتبہ جگؔر صاحب سے کس طرح متعارف ہوا؟
2۔ لکھنؤ کی سرزمین کے متعلق خاکہ نگار نے کیا بات کہی ہے؟
3۔ خاکہ نگار نے کیوں کہا ہے کہ جگؔر صاحب کی باتیں غزل کے شعر ہوتی ہیں؟
4۔ جگؔر صاحب کی شخصیت کے کس پہلو سے آپ متاثر ہوئے، بیان کیجیے۔

© NCERT not to be republished

© NCERT not to be republished